آیاتِ حدود
تجزیہ و تبصرہ

ڈاکٹر شمیم روشن آرا۔ ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

حد کی تعریف آیاتِ حدود کے تجزیہ سے قبل مختصراً حد کی تعریف ضروری معلوم ہوتی ہے چنانچہ عبدالرحمٰن الجزیری کتاب الفقہ میں لکھتے ہیں :

" لفظ "حد" کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور اس لفظ کا اطلاق ایسی سزا پر ہوتا ہے جو شارع علیہ السلام نے مرتکب جرم کے لیے تجویز فرمائی۔ اس کے لاگو کئے جانے کی غرض یہ ہے کہ مجرم آئندہ جرم کا ارتکاب نہ کرے اور جو لوگ ارتکاب جرم کا ارادہ کرتے ہوں ان کو بھی ارتکاب جرم سے باز رکھنے کا موجب بنے[1]"

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

" شریعت میں حد ایسی عقوبت مقدرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کے واسطے ہوتی ہے[2]"

ابوزہرہ حد کی تعریف میں لکھتے ہیں :

" اللہ کی حدود کی دو اقسام ہیں ایک وہ حدود ہیں جو ماکولات، مشروبات اور نکاح میں مقرر ہیں یعنی یہ کہ ان میں سے کون سے امور حلال ہیں اور کون سے حرام

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۵ : ص ۷ ، بیروت ،

[2] فتاویٰ عالمگیریہ : ج ۲ : ص ۱۴۶ ۔

ہیں اور دوسری وہ حدود جو سزا یا تعزیر ہیں یعنی ایسے افعال کا ارتکاب جن سے منع کیا گیا ہے جیسے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے[1]۔

امام سرخسی فرماتے ہیں :

"بلحاظ لغت حد کے معنی روکنے کے ہیں اور اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو اندر جانے سے روکتا ہے ، ایک ایسے لفظ (تعریف) کو بھی حد کہتے ہیں جو جامع ہو کیونکہ اس سے جو معنی مقصود ہیں وہ اس میں آجاتے ہیں ۔ اسی مفہوم کی بنا پر سزاؤں کو حدود کہا گیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے ان کاموں سے روکنا مقصود ہے جن کے لیے وہ مقرر کی گئی ہیں اور اسی وجہ سے تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا ، کیونکہ تعزیر مقرر نہیں ہوتی اور قصاص کو بھی حد نہیں کہا جاتا اس لیے کہ وہ حق العباد ہے[2]۔"

مزید لکھتے ہیں :

الحد هو العقوبة المقدرة حقا لله تعالى[3]

بطور حق اللہ کے متعین شدہ سزا حد ہے ۔

اکثر فقہاء کے نزدیک قابلِ حد جرائم سات ہیں چنانچہ غلام محمد فرید وجدی لکھتے ہیں ۔

ولم يرد الشرع الاسلامى الا سبعة حدود على سبع جنايات بالنص وقد وكل ماعداه الى القاضى وتلك الحدود هى حد الردة وحد البغى ، وحد الزنا وحد القذف وحد السرقة وحد قطع الطريق وحد شرب الخمر[4]

---

[1] ابوزہرہ الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ، ص ۸۸ ، دار الفکر العربی ۔

[2] السرخسی ۔ المبسوط ، ج ۹ : ص ۳۶ ، مصر ۔

[3] ایضاً

[4] محمد فرید وجدی ، دائرۃ المعارف ، ۳ : ۲۷۸ ، طبع مصر ۔

(نص کے لحاظ سے اسلامی شریعت میں صرف سات جرائم پر سات شرعی حدود مقرر کی گئیں ہیں ان کے علاوہ دیگر جرائم قاضی کی مرضی پر مبنی ہیں اور وہ سات حدود یہ ہیں۔ ۱:۔ حد ارتداد ۔ ۲:۔ حد بغاوت ۔ ۳:۔ حد زنا ۔ ۴:۔ حد قذف ۵:۔ حد سرقہ ۔ ۶:۔ حد رہزنی ۔ ۷:۔ حد شراب خوری)

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر نے اپنی تالیف " التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ " میں بھی سات ہی جرائم کو قابل حد قرار دیا ہے ۔

"وجرائم الحدود هي السرقة وقطع الطريق والزنا والقذف وشرب الخمر والردة والبغي على خلاف فيه"[1]

آیات حدود کے مقتضیات

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی نظام چودہ سو سال پرانا فرسودہ نظام ہے جو جدید دور کے مسائل حل نہیں کر سکتا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ سائنس دانوں کے قول کے مطابق یہ زمین یہ آسمان یہ چاند، سورج کروڑوں بلکہ اربوں سال پرانے ہیں کیا ان کی افادیت ختم ہو گئی اگر جدت پسند حضرات پرانی چیزوں کو فرسودہ سمجھتے ہیں تو اس قدیم زمین اور پرانے چاند سورج سے استفادہ کیوں کر رہے ہیں یہاں سے نکل جائیں اور ایک نئی دنیا آباد کر لیں ۔ اس بات سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز پرانی اور فرسودہ نہیں ہے بلکہ اصل چیز اس کی افادیت ہے ۔ قرآن وسنت کی افادیت کو تو دنیا مانتی ہے ۔ اہل علم وبصیرت جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے جو نظام حیات انسان کو بخشا ہے اس میں انسانی فلاح و بہبود کے تمام اسرار مضمر ہیں ۔

حدود کے مقرر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دو مقاصد ہیں ایک تو یہ کہ مجرم میں سزا کا اتنا سخت خوف پیدا ہو جائے کہ وہ دوبارہ اس جرم کو کرنے کی جرأت ہی نہ کر سکے اور دوسرے یہ کہ وہ مجرم دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جائے اور دوسرے لوگ اس

---

[1] عبدالعزیز عامر: التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، ۱۲، طبع قاہرہ ۱۳۲۸ھ

کے عبرت ناک انجام کو دیکھ کر جرائم کرنے سے باز رہیں۔ مجرم کو خواہ ہاتھ کاٹنے کی سزا دیں یا سنگسار کریں یا کوڑے ماریں یا قتل کریں بظاہر ان تمام سزاؤں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مجرم کو اذیت پہنچائی جا رہی ہے۔ اس طرح کی جتنی بھی سزائیں نافذ کی جائیں گی انکا مطلب مجرموں کو اذیت پہنچانا ہی ہوگا لیکن معاشرہ کی اصلاح کے لیے اور معاشرہ سے شر و فساد دور کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حدود شرعیہ کو نافذ کیا جائے اور مجرم کو اذیت پہنچائی جائے تاکہ جب لوگ کسی فرد کا ہاتھ کٹتے دیکھیں یا کوڑے لگتے دیکھیں یا کسی کو سنگسار ہوتا دیکھیں تو عبرت پکڑیں کیونکہ ایک مجرم معاشرہ میں دوسروں کے لیے اذیت کا باعث ہوتا ہے اور معاشرے میں خوف و ہراس پھیلانے کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے مجرم کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اسلامی قانون کے مطابق اس کے جرم کی مناسب سزا دی جائے اگر مجرم کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر ان جرائم کا سلسلہ پھیلتا چلا جائے گا اور اس طرح آزادانہ اور بلا خوف و خطر ڈاکہ زنی، چوری اور فساد کا بازار گرم ہو جائے گا۔

بعض اوقات مصلحت کی خاطر ڈاکٹر مریض کا ہاتھ یا بدن کا کوئی اور عضو کاٹ دیتا ہے تاکہ سارے جسم میں زہر نہ پھیل جائے اور اس کی جان نہ چلی جائے یا جہاد کے وقت فوجی اپنی جان ہلاکت میں ڈال کر اپنے ملک کے لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی مشکل شرعی حدود کی ہے کہ ان کا جاری کرنا اس مقصد سے نہیں ہوتا کہ وہ فساد یا اذیت کا سبب بنیں بلکہ اس کا مقصد مصلحت ہے کہ شریعت کی حدود مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا، باغیوں کو قتل کرنا، شادی شدہ زانیوں کو سنگسار کرنا، غیر شادی شدہ زانیوں کو سو درے لگانا پاک دامن عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے کے جرم کے اسی درے لگانا ان سب کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی سلامتی کی حفاظت اور معاشرے کی اصلاح کی جائے۔ جب اس قسم کی عبرتناک سزائیں دی جائیں گی تو معاشرہ میں اس قسم کے جرائم کم ہوں گے اور لوگ سکون سے زندگی گزار سکیں گے۔

اب ہم تمام آیات حدود کا الگ الگ عنوان سے جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں جو آیات حدود اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں ان کے کیا کیا تقاضے ہیں۔

زنا زنا کی سزا کے احکام ایک دم نازل نہیں ہوئے بلکہ بتدریج ان کا نزول ہوا ہے۔ زنا کی سزا کا پہلا حکم تو وہ تھا جو سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں مذکور ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۔

(اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے ان کو موت یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ مقرر کر دے۔

ان آیات میں ایسی عورتوں کے لیے سزا تجویز کی گئی ہے جن سے فاحشہ یعنی زنا جیسا بُرا کام سرزد ہو گیا ہو۔ ایسی عورتوں کے لیے کہا گیا ہے کہ جن عورتوں سے ایسی حرکت ہوئی ہو اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ مرد طلب کیے جائیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے چار مرد گواہی دیں جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں اور گواہی بھی مردوں کی ضروری ہے اس سلسلے میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں[1]

چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہوتا ہے جس سے کسی کی عزت اور عفت مجروح ہوتی ہے اس لیے اس کے لیے بہت زیادہ سختی برتی گئی ہے اگر چار سے کم لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی گواہی نامعتبر ہے ایسی صورت میں مدعی اور گواہ سب جھوٹے سمجھے جائیں گے اور ایک مسلمان عورت پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر حد قذف جاری کر دی جائے گی۔

قرآن کریم کی اس آیت میں زنا کے لیے کوئی حد بیان نہیں کی گئی صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ اور زنا کار عورتوں کو گھروں میں بند کر دو آگے بیان فرمایا ہے کہ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راہ بتا دے[2] پھر جب دوسری سزا تجویز ٹھہری

---

[1] ابو الفضل شہاب الدین، روح المعانی ج ۳، جزء ۴: ۲۳۴، ۲۳۵، ملتان
[2] السیوطی، انوار التنزیل و اسرار التاویل، ج ۱: ص ۲۰۹، مصر
[3] تفسیر روح المعانی، ج ۴، ص ۲۲۵، ملتان، تفسیر کبیر، ج ۳: ص ۱۰۲، العامرۃ الشرقیۃ

اور یہ حکم ہٹ گیا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تک سورۃ نور کی یہ آیت نہ اتری زنا کار عورت کا یہی حکم رہا پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا حضرت عکرمہؓ، حضرت قتادہ، حضرت زید بن اسلمؒ، حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت حسنؒ، حضرت عطا خراسانیؒ، حضرت ابو صالحؒ، حضرت ضحاکؒ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس امر پہ سب کا اتفاق ہے[۱]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر پڑتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی فرمائی جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میری یہ بات غور سے سن لو اللہ تعالیٰ نے زنا کے بارے میں حکم جاری کر دیا ہے۔ اگر شادی شدہ عورت اور شادی شدہ مرد ہو تو ایک سو کوڑے پھر پتھروں سے مار ڈالنا یعنی رجم کرنا اور غیر شادی شدہ مرد ہو تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی[۲] یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے امام ترمذی اس کو حسن صحیح کہتے ہیں اسی طرح سنن ابوداؤد میں بھی ہے ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے اس حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے[۳]

سورۃ نور کی یہ آیت الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

۱؎ انوار التنزیل، ج ۱: ص ۲۰۹، تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۴۶۲، لاہور
تفسیر کبیر، ج ۳: ص ۱۷۱، العامرۃ الشرقیۃ ۱۳۰۸ھ۔ جلاوطنی کا ذکر یہاں نہیں ہے۔
تفسیر مظہری، ج ۵: ص ۲۰۴، جلاوطنی کا ذکر نہیں ہے۔

۲؎ تفسیر ابن کثیر، ج ۱: ص ۴۶۲، سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود
صحیح مسلم، کتاب الحدود، ترمذی، کتاب الحدود و انوار التنزیل: ج ۱: ص ۱۱۷

۳؎ تفسیر ابن کثیر، ج ۱: ص ۴۶۲۔

جَلْدَۃٍ کے اترنے کے بعد عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے کا حکم نہیں رہا۔ امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی رہا کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے۔ جمہور کہتے ہیں کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں لگائے اسی طرح یہودیوں کو بھی آپ نے رجم کا حکم دیا اور پہلے انھیں بھی کوڑے نہیں لگائے پس جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے ضروری نہیں واللہ اعلم [۱]

اس آیت میں ایک تو ثبوت زنا کا خاص طریقہ چار مردوں کی شہادت کا ساتھ ہونا بیان فرمایا ہے دوسرے زنا کی سزا عورت کو گھر میں مقید رکھنا اور ایذا پہنچانا مذکور ہے۔ اس میں ساتھ یہ بھی بیان فرما دیا کہ زنا کی سزا کا یہ آخری حکم نہیں ہے بلکہ آئندہ کوئی اور حکم آنے والا ہے او یجعل اللہ لھن سبیلا کا یہی مفہوم ہے کہ عورتوں کا گھروں میں قید رکھنا اس وقت کافی قرار دیا گیا لیکن اس میں سزا کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی بلکہ قرآن کے الفاظ سے بیان ہوتا ہے کہ قرآن کی ابتدائی سزا صرف تعزیر تھی جس کی مقدار شریعت نے متعین نہیں کی تھی بلکہ قاضی یا امیر کی صوابدید پر موقوف تھی اس لیے ایذا کے مبہم الفاظ بیان کیے گئے مگر ساتھ ہی او یجعل اللہ لھن سبیلا فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ ان مجرموں کے لیے سزا کا کوئی اور طریقہ مقرر فرمایا جائے گا جب سورۃ نور کی آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سورۂ نساء میں جو وعدہ کیا گیا تھا او یجعل اللہ لھن سبیلا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور سبیل نکالے تو سورہ نور کی اس آیت نے وہ سبیل بتا دی یعنی سو کوڑے مارنے کی سزا عورت مرد دونوں کے لیے متعین فرما دی [۲]

زنا کار یا تو شادی شدہ ہوگا یا غیر شادی شدہ ان کی سزا دہی ہے جو اس آیت میں

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، ج ۱: ص ۴۶۲ -

[۲] معارف القرآن، ج ۲: ص ۳۴۴

نازل ہوئی ہے یعنی سو کوڑے ۔ جمہور علماء کے نزدیک اسے سال بھر کی جلا وطنی بھی دی جائے گی ۔ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق جلا وطنی امام کی رائے پر موقوف ہوگی ۔ اگر وہ دینا چاہے دے دے چاہے نہ دے ۔ جمہور اس حدیث پر اپنی دلیل دیتے ہیں کہ دو دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ اس کے ہاں میرا بیٹا ملازم تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی پھر میں نے علماء سے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر شرعی سزا سو کوڑوں کی ہے اور ایک سال کی جلا وطنی اور اس کی بیوی پر رجم یعنی سنگساری ہے آپ نے فرمایا سنو میں تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق صحیح فیصلہ کرتا ہوں لونڈی اور بکریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اے اُنیس تو اس کی بیوی کا بیان لے یہ حضرت اُنیس قبیلہ اسلم کے ایک شخص تھے اگر وہ عورت زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دینا ۔ چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور اسے رجم کر دیا گیا[۲] اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کنوارے پر سو کوڑوں کے ساتھ سال بھر کی جلا وطنی بھی ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو وہ رجم کر دیا جائے گا ۔ موطا امام مالکؒ میں ہے ۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ۔ اس کتاب اللہ میں رجم کرنے کا حکم کی آیت بھی تھی جس کی ہم نے تلاوت کی، یاد کی اس پر عمل بھی کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے ایسا نہ ہو وہ فرائض کے اس فریضے کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا چھوڑ کر گمراہ

۲ۓ صحیح مسلم، کتاب الحدود، صحیح بخاری، کتاب المحاربین
سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، سنن ابو داؤد، کتاب الحدود
موطا امام محمد، ابواب الحدود فی الزنا، الاقرار بالزنا ۔

ہو جائیں کتاب اللہ میں رجم کا حکم مطلق حق ہے اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت ہو جبکہ اسکے زنا پر شرعی دلیل ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو یہ حدیث صحیحین میں ہے [۱]

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رجم یعنی سنگساری کا مسئلہ ہم قرآن میں نہیں پاتے قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے یاد رکھو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے قرآن میں جو نہ تھا عمر نے لکھ دیا تو میں آیت رجم کو اسی طرح لکھ دیتا جس طرح نازل ہوئی تھی [۲]

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں رجم کا ذکر کیا اور فرمایا رجم ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا اگر لوگوں کے اس کہنے کی فکر نہ ہوتی کہ عمر نے کتاب اللہ میں زیادتی کی ہے جو اس میں نہ تھی تو میں کتاب اللہ کے ایک طرف آیت رجم لکھ دیتا۔ عمر بن خطاب عبدالرحمٰن بن عوف کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا یاد رکھو تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو رجم کو شفاعت کو اور عذاب قبر کو جھٹلائیں گے اور اس بات کو بھی کہ کچھ لوگ جہنم سے اس کے بعد نکالے جائیں گے کہ وہ کوئلے ہوں گے [۳]

---

۱ موطا امام محمد، ابواب الحدود فی الزنا، الرجم
تفسیر ابن کثیر، ج ۳ : ص ۲۶۰، سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود
موطا امام مالک، کتاب الحدود، سنن ابو داؤد، کتاب الحدود، صحیح بخاری، کتاب المحاربین

۲ تفسیر ابن کثیر، ج ۳ : ص ۲۶۰، سنن نسائی، کتاب الحدود
مسند احمد بن حنبل، ج ۱ : ص ۲۲۳ مصر، سنن ابو داؤد، کتاب الحدود
موطا امام محمد، ابواب الحدود فی الزنا، الرجم۔

۳ تفسیر ابن کثیر، ج ۳ : ص ۲۶۰، مسند احمد بن حنبل، ج ۱ : ص ۲۲۳ مصر۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کیے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو اس کے پچاس دُرّے لگتے ہیں اس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں حریت، بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ تو ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اس کی سزا "رجم (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ میں توراۃ کے حوالے سے فرمایا ہے" وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا ہے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے اسی کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذَا مَاتُوْهُ" (خدایا میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اُسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف ان یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں زانی محصن کو آپؐ نے یہی رجم کی سزا دی اور آپؐ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا "وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۃ "بقرہ" میں بیان کیا گیا۔ فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم" پھر انہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بما انزل اللہ کی برائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا

"وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اس سے یہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء وآراء کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے چنانچہ نہ آپؐ نے پرواہ کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانے کے ایک ممسوح فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ وتابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد ومد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا (تنبیہ)"[1]

مسند احمد، سنن اربعہ اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بات لے لو میری بات لے لو اللہ تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے لیے راستہ نکال دیا ہے کنواری اور کنوارے اگر زنا کریں تو ان کے لیے سو کوڑے ہیں۔ اور غیر شادی شدہ کے لیے رجم پھر فرمایا خدا کے حکم کے مطابق حد جاری کرنے میں تمہیں ترس نہیں آنا چاہیے دل کا رحم اور چیز ہے اور وہ تو ضرور ہوگا لیکن حد جاری کرنے میں امام کی کمی اور سستی بری چیز ہے جب امام کے پاس کوئی ایسا واقعہ آئے جس میں حد قائم ہو سکتی ہو تو اسے چاہیے کہ حد کو جاری کرے اور اسے نہ چھوڑے[2]۔ حدیث میں ہے کہ مجھ تک پہنچانے سے پہلے تم حدود میں درگذر کرو لیکن جو بات مجھ تک پہنچ گئی اس میں تو حد لازمی ہو گئی۔ حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک حد کا زمین میں قائم ہونا زمین والوں کے لیے چالیس دن کی بارش سے

---

[1] علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تفسیر القرآن الحکیم، ص ۱۴۶، کراچی۔

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۳: ص ۲۶۱۔

بہتر ہے[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ حد کو جاری کرنے میں رحم نہ کھاؤ، مار کو نرم نہ کرو بلکہ اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ ضرب بھی اچھی خاصی پڑے لیکن ہڈی نہ ٹوٹنے پائے زنا کی حد جاری کرنے کے وقت جسم پر کپڑے نہیں ہونے چاہئیں جبکہ تہمت کی حد جاری کرتے وقت جسم پر کپڑے ہونے چاہئیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی لونڈی نے جب زنا کیا تو اس کے پاؤں اور کمر پر کوڑے مارے گئے۔ حضرت نافع نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت کیا وَلَا تَأْخُذْكُمْ کہ خدائی حد جاری کرنے میں تمہیں ترس نہ آنا چاہیئے تو آپ نے فرمایا کیا تیرے نزدیک میں نے اس پر کوئی ترس کھایا ہے؟ رسول اللہ نے اسکے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا نہ یہ فرمایا کہ اس کے سر پر کوڑے مارے جائیں میں نے اسے پوری طاقت سے کوڑے لگائے ہیں اور پوری سزا دی ہے پھر فرمایا اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں اس حکم کی بجا آوری کرنی چاہیئے اور زانیوں پر حدیں جاری کرنے میں پہلوتہی نہیں کرنی چاہئیں[2]

یعنی ان پر اپنے میں سے چار گواہ مردوں میں سے لے آؤ۔ نیز ارشاد گرامی ہے: ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ[3] (النور: ۴) یعنی پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں (ملاحظہ فرمائیے دونوں ارشادات میں شہدا کی تعداد چار بیان کی گئی ہے)۔ چار گواہوں کی شرط اس امر کے مدنظر کی گئی ہے تاکہ اس قبیح فعل کی پردہ پوشی ممکن حد تک ہوسکے اور شرع اسلامی میں پردہ پوشی نہایت مستحسن اور اہم امر ہے اور فحش فعل کی اشاعت کرنا پردہ پوشی کے متناقض ہے۔ چار گواہوں کی شرط عائد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور پردہ پوشی کا پہلو بھی برقرار رہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۳ : ص ۲۶۱ ، سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود

ہ سنن ابوداؤد، کتاب الحدود

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۳ : ص ۲۶۱، ۲۶۲

[3] سورۃ نور : ۴

المؤمنین (النور: ۲) اوران کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کو سزا عام لوگوں کے سامنے دی جائے تاکہ ایک طرف مجرم کو فضیحت ہو اور دوسری طرف عوام کو نصیحت۔ اسلامی قانون میں سزا کے دو اہم مقصد ہیں اول یہ کہ مجرم سے اس کی زیادتی کا بدلہ لیا جائے اور اس کو اس برائی کا مزا چکھایا جائے جو اس نے کسی دوسرے شخص یا معاشرے کے ساتھ کی تھی دوسرے یہ کہ اس کی سزا کو ایک عبرت بنا دیا جائے تاکہ معاشرے میں جو لوگ برے خیالات رکھتے ہوں ان کو عبرت حاصل ہو اور وہ کوئی غلط کام نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا مجمع ہونا چاہیے تاکہ سب کے دل میں ڈر بیٹھ جائے اور زانی کی رسوائی بھی ہو تاکہ اور لوگ اس سے رک جائیں اسے اعلانیہ سزا دی جائے مخفی طور پر مار پیٹ کر نہ چھوڑا جائے ایک شخص اور اس سے زیادہ بھی ہو جائیں تو جماعت ہو گئی اور آیت پر عمل ہو گیا[۱]۔ امام محمدؒ کا مذہب ہے کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے عطا کا قول ہے کہ دو ہونے چاہئیں۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں چار ہوں زہری کے نزدیک تین یا تین سے زیادہ ہوں۔ امام مالک فرماتے ہیں چار یا اس سے زیادہ ہوں کیونکہ زنا میں چار سے کم گواہ نہیں ہونے چاہئیں امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں حسن بصریؒ کے نزدیک دس قتادہؒ کہتے ہیں ایک جماعت ہو تاکہ لوگ نصیحت اور عبرت حاصل کریں[۲]۔

ان تمام احادیث پر نظر ڈالنے کے بعد آیات زنا کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ زنا شرعاً حرام ہے اسکے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اس سے آئندہ آنے والی نسلوں کے انساب پر برا اثر پڑتا ہے معاشرہ میں بے حیائی عام ہو جاتی ہے اور اس فحاشی کو روکنے کے لیے ہی زنا پر حد کی سزا مقرر کی ہے۔ جو حد اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمائی ہے اس کے مطابق شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت اگر زنا کریں تو ان کے لیے رجم کی سزا ہے اور اگر غیر شادی شدہ

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ۲۶۲

[۲] ایضاً

عورت زنا کرے تو ان کے لیے سو کوڑے مارنے کی سزا ہے۔

قذف کسی پاکباز عورت کے متعلق زنا کی تہمت لگانے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ [۱]

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایسی عورتوں پر جو پاک دامن بُرے کاموں سے بے خبر اور ایماندار ہیں، بدکاری کا عیب لگاتے ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے اور ان کو اس دن بڑا سخت عذاب ہوگا۔

دوسری جگہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲]

ترجمہ: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ اپنے دعوے پر نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی کوڑے مارو اور آئندہ کبھی بھی انکی گواہی قبول نہ کرو اور یہ لوگ فاسق ہیں۔

زنا چونکہ سارے جرائم سے زیادہ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ ہے اس لیے اس کی سزا شریعت اسلام نے دوسرے سب جرائم سے زیادہ سخت رکھی ہے اس لیے عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ اس معاملہ کے ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے۔ بغیر شرعی ثبوت کے کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام یا تہمت لگانے کی جرات نہ کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ان آیتوں میں بیان کیا ہے کہ جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد

---

[۱] النور، ۲۳

[۲] النور، ۴

پر زناکاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے ہاں اگر ثبوت پیش کردیں تو حد سے بچ جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے ان کی شہادت غیر مقبول سمجھی جائے گی اور ان کو عادل کی بجائے فاسق سمجھا جائے گا۔ اتنی سخت سزا اسی لیے رکھی ہے کہ کوئی بغیر وجہ کے کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت نہ لگائے۔

جس شخص پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے تو اس پر تو فوراً حد جاری ہو جائے گی یعنی اسّی کوڑے مارے جائیں گے لیکن ایک دوسری سزا بھی ہے جو ہمیشہ جاری رہے گی وہ یہ کہ اس کی شہادت قبول نہ ہوگی جب تک کہ یہ شخص سخت ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ نہ کرے اور مقذوف شخص سے معافی حاصل کرکے توبہ کی تکمیل نہ کرے حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت تب بھی قبول نہ ہوگی ہاں گناہ معاف ہو جاتا ہے[1]

اگر کوئی خاوند اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی حکم نازل فرمایا ہے۔ سورۂ نور میں ہے:

(ترجمہ): اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی جوروں کو اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے اُن کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر، کہ وہ شخص سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا اور عورت سے ٹل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ سچا ہے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا اور حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا۔ (آیت ۶ تا ۱۰)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان خاوندوں کے لیے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں پھٹکارے کی صورت بیان فرمائی ہے کو شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا دے یا

---

[1] مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن، ج ۶: ص ۳۵۵

اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور عورت یہ مطالبہ کرے کہ میرے خاوند نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس لیے اس پر تہمت زنا کی حد جاری کی جائے تو اس شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیے تو عورت پر حد زنا جاری کی جائے گی اور اگر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔[1] یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ وہ الفاظ کہے جو قرآن میں مذکور ہیں کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں۔ اگر شوہر ان الفاظ کو ادا کرے یا اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے۔ اگر اس نے جھوٹا ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف جاری ہوگی۔ اگر مرد نے الفاظ مذکور کے ساتھ پانچوں قسمیں کھا لیں تو پھر عورت سے قسم کھانے کو کہا جائے گا اگر عورت قسمیں کھانے سے انکار کرے تو اس کو قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسمیں کھالے یا اپنے جرم زنا کا اقرار کرے۔ اگر اس جرم زنا کا اقرار کر لیا تو اس پر حدِ زنا جاری ہو جائے گی اور اگر عورت نے بھی قسمیں کھا لیں تو دونوں دنیا کی سزا سے بچ جائیں گے لیکن ان میں سے جو جھوٹا ہے اس کو آخرت میں سزا ملے گی لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہیے ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دے دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو بحکم طلاق ہو گیا۔ اب ان دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح کبھی نہیں ہو سکتا۔

چونکہ شوہروں کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین ہے اس لیے ان کے لیے لعان کے بارے میں حکم نازل ہوا ہے عام آدمی کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اس نے اپنی عورت کو بدکاری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور اگر نہ بولے تو اس کی غیرت

---

[1] انوار التنزیل، ج ۳ : ص ۱۰۹

یہ گوارا نہ کرے گی اور اس پر اس کی زندگی وبالِ جان بن جائے گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے شوہروں کو اس اذیت سے بچانے کے لیے ان کو لعان کی رعایت دی ہے۔

ان تمام احادیث کے مطالعہ کرنے کے بعد آیات قذف کا یہ مطلب سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں پر لعنت کی ہے جو کسی پاکباز عورت پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں کیونکہ زنا کی تہمت سے اس عورت کی عزت پر حرف آتا ہے جس پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی کی ناموس پر حرف آنا گوارہ نہیں اس لیے اس نے قرآن حکیم میں ایسی تہمت سے باز رکھنے کے لیے اس کی سزا اسی کوڑے مقرر کیے ہیں اور ایسے لوگوں کی گواہی ہمیشہ کے لیے باطل قرار دے دی ہے۔

شراب نوشی ظہور اسلام سے قبل عرب میں شراب نوشی عام تھی۔ مرد، عورت، بچہ، آقا، غلام غرض معاشرے کا تقریباً ہر فرد اس میں مبتلا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ تدریجاً نازل ہوا۔ پہلے نماز کے اوقات میں پینے سے منع فرمایا گیا پھر اس کے نقصانات کے حوالے سے نفرت دلوائی گئی۔ بعدازاں مستقل طور پر ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ (المائدۃ ۔ ۹۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! واقعی بات یہ ہے کہ شراب اور جوا اور بتوں کے تھان اور فال کھولنے کے تیر یہ سب ناپاک کام شیطان کے ہیں لہذا ان سے بچتے رہو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا شراب قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا شراب اور جوا بغض و عداوت پیدا کرتے ہیں اور انسان کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دیتے ہیں۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۔ (المائدہ ۵ - ۹۱)

ترجمہ: شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے مابین دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز ادا کرنے سے باز رکھے۔ سو کیا تم اب بھی اس سے باز رہو گے۔

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ابھی شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی تو حضرت عمرؓ نے کہا خدایا تو اس کا واضح بیان فرما اس پر سورۃ بقرہ کی یہ آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ نازل ہوئی حضرت عمر کو بلوایا گیا اور انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی لیکن حضرت عمرؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ خدایا اسے ہمارے لیے اور زیادہ صاف فرما اس پر سورۃ نساء کی آیت يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى ۔ نازل ہوئی اور ہر نماز کے وقت پکارا جانے لگا کہ نشے والے لوگ نماز کے قریب بھی نہ آئیں حضرت عمرؓ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس آیت کی بھی تلاوت کی گئی آپؓ نے پھر بھی یہی دعا کی کہ خدایا ہمارے لیے اس کا بیان اور واضح کر دے اس پر سورۃ مائدہ کی آیت انما الخمر اتری اور جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی گئی جب ان کے کان میں آیت کے آخری الفاظ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ پڑے تو آپ بول اُٹھے اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ہم رک گئے ہم رک گئے۔[۱]

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ ثقیف یا قبیلہ دوس کا ایک شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست تھا۔ فتح مکہ والے دن وہ آپ کو ملا اور اس نے آپ کو تحفۃً ایک شراب

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۹۲ سنن نسائی، کتاب الاشربۃ
روح المعانی، ج ۴، جزء ۷، ص ۱۱، ابن عربی، احکام القرآن، ج ۲: ص ۲۵۰، العربیہ
تفسیر مظہری، ج ۳: ص ۱۷۱، دہلی۔

کا مٹکا پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے
تو اس آدمی نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے بازار میں لے جا کر بیچ دو یہ سُن کر رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب حرام کی اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُن کر اس آدمی نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ شہر سے باہر لے جاؤ
اور اس کو انڈیل دو[1]

ایک دوسری اسی قسم کی حدیث تمیم داریؓ سے مروی ہے کہ وہ ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کو شراب کا ایک مٹکا تحفۃً بھیجتے تھے۔ شراب کے حرام ہونے کے بعد وہ حسب معمول مٹکا
لے کر حاضر ہوئے تو حضرت محمدؐ نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارے بعد شراب حرام کر دی گئی ہے
اس نے عرض کیا! یا رسول اللہ میں اسے بیچ دوں اور قیمت لے لوں۔ آپؐ نے فرمایا خُدا
یہودیوں پر لعنت کرے جن پر گائے اور بکرے کی چربی حرام کر دی گئی تھی جب بھی اس
کو پگھلا کر روغن بنا کر بیچ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شراب اور اس کی قیمت سب حرام کر دی
ہے۔ ایسی ہی ایک اور حدیث بھی ہے کہ ابن کیسان کا باپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانے میں شراب کی تجارت کرتا تھا۔ چنانچہ وہ تجارت کے لیے شام سے شراب کے
مٹکے لے آیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایک مٹکا لے کر حاضر ہوا کہنے لگا یا
رسول اللہ! آپؐ کے لیے بڑی نفیس شراب لے کر آیا ہوں تو آپؐ نے فرمایا اے کیسان یہ
تو تمہارے بعد حرام کر دی گئی ہے۔ اس نے پوچھا حضرت میں اس کو فروخت کر دوں۔
آپؐ نے فرمایا اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ کیسان نے مٹکوں کو لے جا کر پاؤں سے ٹھوکر مار
کر تمام شراب بہا دی[2]

ان سب احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کو اس قدر ناپسند کیا گیا
ہے اور اس کے حرام ہونے کے بارے میں اس شدت سے احکام نازل ہوئے ہیں کہ شراب نوشی

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۹۳، موطا امام محمد، باب تحریم الخمر وما یکرہ من
الاشربۃ۔ اس میں حدیث ہی ہے لیکن تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

اُس کی خرید و فروخت حرام ہے اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے شَارِبُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات عزّٰی کی پرستش کرنے والا[۱] اس کا مطلب یہ ہوا کہ شراب نوشی کو بت پرستی کے مترادف قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ اِلٰى قَوْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ یہی آیت توریت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو اس لیے نازل کیا ہے کہ باطل کو نابود کر دے گا اور گانے بجانے کے آلات بربط، ستار، سارنگی، دف، طنبور ہے تاکہ سب کو باطل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جو شراب کے حرام ہونے کے بعد شراب پیئے گا میں اس کو قیامت کے روز پیاسا رکھوں گا[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شراب اس قدر ناپسند تھی کہ جب شراب حرام ہو گئی تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے شراب بہا دی۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باڑے کی طرف نکلے۔ میں آپؐ کی دائیں طرف تھا ابوبکرؓ سامنے کی طرف سے آئے میں پیچھے ہو گیا ابوبکرؓ آپؐ کے دائیں طرف ہو گئے میں بائیں طرف ہو گیا کہ اتنے میں عمرؓ آتے دکھائی دیے میں ایک طرف ہو گیا۔ حضرت عمرؓ آپؐ کے بائیں طرف ہو گئے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس باڑے پر آئے جو گھروں کے پیچھے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی وہاں شراب کا ایک مشکیزہ دکھائی دیا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایک چھرا دیا اور فرمایا اس مشکیزہ کو چیر دو اور فرمایا کہ شراب پر اور شراب کے پینے اور پلانے والے پر لانے لے جانے والے پر کشید کرنے والے اور بنانے والے اور اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت ہے[۳]

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل پر پردہ ڈال دینے والی ہر پینے کی چیز خمر ہے۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے جو شخص کوئی نشہ آور چیز پیئے گا اس کی چالیس

---

[۱] سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود

[۲] تفسیر ابن کثیر، ج ۲ : ص ۹۶

[۳] تفسیر ابن کثیر، ج ۲ : ص ۹۴

دن کی نماز قبول نہ ہوگی لیکن اگر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول کر لی جائے گی۔ چوتھی بار اگر شراب پیئے تو خدا کو حق ہے کہ اسے طینیۃ الخبال پلائے آپ نے فرمایا طینیۃ الخبال اہل نار کا پیپ ہے۔[1]
ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس نے دنیا میں شراب پی اور توبہ نہیں کی تو آخرت کی شراب اس پر حرام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور حرام ہے۔ جو عمر بھر شراب پیتا رہا اور مر گیا اور توبہ نہیں کی وہ جنت کی شراب سے بالکل محروم رہے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ ایک وہ جو اپنے والدین کا نافرمان ہو، دوسرے وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہو تیسرے وہ جو احسان کر کے جتانے والا ہو۔[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شراب نوشی کرنے والے کے لیے یہاں تک کہا ہے وَلَا یشرب الخمرَ حِینَ یشربُھَا وھو مومن۔ مومن جب شراب پیتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔[3] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے کی سزا مقرر کرتے ہوئے فرمایا:

اِذا شربوا الخمر فاجلدوھم ثم ان شربوا فاجلدوھم ثمّ ان شربوا فاجلدوھم ثم ان شربوا فاقتلوھم[4]

ترجمہ: اگر لوگ شراب پئیں تو انہیں کوڑے مارو۔ اگر دوبارہ پئیں تو پھر کوڑے مارو۔ اگر سہ بارہ پئیں تو پھر کوڑے مارو اور اگر اس کے بعد بھی پئیں تو انہیں قتل کر دو۔[5]

کوڑے کتنے مارے جائیں اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا گیا بلکہ شراب نوشی پر کوڑے

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۹۶
[2] ایضاً
[3] صحیح بخاری، کتاب الحدود
[4] سنن ابو داؤد، کتاب الحدود۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود
[5] قتل والا حکم آپ نے بعد میں منسوخ کر دیا۔

مارنے کی تعداد نہ قرآن میں آئی ہے نہ ہی رسول کریمؐ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی بنا پر اس طرف توجہ دینی پڑی۔ حضرت محارب بن دثارؓ سے روایت ہے کہ شام میں چند لوگوں نے شراب پی تو حضرت یزید بن ابی سفیان نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے شراب کیوں پی؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔

(سورۃ المائدہ ۵:۹۳)

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر اس (حرام چیز کے کھانے کا) کوئی گناہ نہیں ہے (جو وہ حرمت سے قبل کھاتے رہتے تھے)۔

یزید بن ابی سفیان نے پورا واقعہ من و عن خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کے پاس لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا: "اگر میرا یہ مکتوب تمہیں صبح ملے تو شام تک کی بھی مہلت انہیں نہ دینا اور اگر شام کو ملے تو صبح ہونے تک کا انتظار نہ کرنا اور ان لوگوں کو فوراً میرے پاس روانہ کرنا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو گمراہ نہ کر سکیں" چنانچہ حسب الامر یزید بن ابی سفیان نے انہیں پکڑ کر فوراً حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جب وہ لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیگر صحابہ کرامؓ سے اس معاملے میں مشورہ فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ "اس معاملے میں آپؓ کی کیا رائے ہے؟" حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا "ان لوگوں نے دین میں ایسی بات کی ابتدا کر دی ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی لہٰذا میرا خیال ہے کہ ان سے دریافت کیا جائے سو اگر واقعتاً یہ لوگ شراب کو حلال سمجھتے ہیں تو انہیں قتل کرا دیں کیونکہ انہوں نے ایک ایسی چیز کو حلال کر رکھا ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے (اور ایسا کرنا کفر ہے) اور اگر یہ لوگ شراب کو حرام تو سمجھتے ہیں لیکن پی رہے ہیں تو انہیں اسّی کوڑے مارے جائیں[1]

اس روایت کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ شراب نوشی

[1] ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰: ص ۳۲۶، طبع مصر ۱۳۴۸ھ

کی حد اسی کوڑے ہیں کیونکہ جب حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے اسی کوڑوں پر اتفاق کیا گویا صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہوگیا۔ المغنی میں ایک اور روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شراب نوشی بڑھ رہی تھی تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کرکے ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ "حدود میں سب کم سزا قذف کی ہے یعنی اسی کوڑے اس لیے شراب نوشی کی حد بھی اسّی کوڑے مقرر فرمادیں۔ حضرت علیؓ نے ارشاد کیا" انسان جب نشے میں ہوتا ہے تو اول فول بکنے لگتا ہے اور اول فول بکتے وقت عموماً وہ تہمتیں لگاتا ہے لہٰذا شراب نوشی کی حد بھی وہی ہونی چاہیے جو قذف کی ہے۔ جب صحابہ کرامؓ اس معاملے میں متفق ہوگئے تو حضرت عمرؓ نے تمام ممالک میں یہ حکم نامہ لکھ کر بھیج دیا کہ شراب نوشی کی حد اسّی کوڑے ہیں۔ آپ نے حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو بھی یہی باتیں لکھ بھیجیں۔[۱]

۲۔ سرقہ

اللہ تعالیٰ نے سرقہ کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (المائدہ ۵: ۳۸)

ترجمہ: اور چور خواہ عورت ہو یا مرد، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اللہ سب پر غالب ہے اور وہ دانا اور بینا ہے۔

دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ اور اُمّت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائیگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی لا قطع علی خائن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرقہ کا اطلاق خیانت وغیرہ پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کرے۔[۲]

---

۱ المغنی، ج ۱۰: ص ۳۲۹ صحیح مسلم، کتاب الحدود

۲ احکام القرآن۔ ج ۲: ص ۶۰۱

بعض فقہاء کہتے ہیں کہ چوری کی چیز پر کوئی نصاب مقرر نہیں یہ حضرات یہ دلیل دیتے
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا
جاتا ہے، رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے[۱] جمہور علماء کے نزدیک چوری کا نصاب مقرر
ہے لیکن اُس کے نصاب میں اختلاف ہے تین درہم سکّے والے خالص یا ان کی قیمت کی کوئی چیز
صحیح بخاری و مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ڈھال کے چرانے پر ہاتھ کاٹا ہے۔ اس ڈھال کی قیمت تین درہم تھی[۲] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے اترنج کے چور کا ہاتھ کاٹا تھا۔ اس کی قیمت بھی تین درہم تھی[۳]

امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک چوری کے مال کی قیمت دس درہم ہونا ضروری ہے۔ شافعیہ
چوتھائی دینار بتاتے ہیں۔ امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ پاؤ قیمت کی چیز یا اس سے زیادہ[۴]

چور کو جو سزا دی جاتی ہے وہ مال مسروق کا بدلہ نہیں بلکہ اس کے فعل سرقہ کا بدلہ ہے تاکہ
وہ اور دوسرے چور اس سے تنبیہ حاصل کریں۔ یہ حقیقت ہے کہ جہاں کہیں حدود جاری
ہوتی ہیں وہ جاری کی سزا پانے کے بعد چوری کا دروازہ قطعاً بند ہو جاتا ہے۔ آج کل نئی تہذیب
والے حدود کو وحشیانہ سزا سے موسوم کرتے ہیں اگر تھوڑی سی وحشت کا تحمل کرنے سے بہت
سے چور مہذب بنائے جا سکتے ہوں تو حاملین تہذیب کو خوش ہونا چاہیے کہ ان کے "تہذیبی
مشن" میں اس وحشت سے مدد مل رہی ہے چوری کی اس سے ہلکی سزا قرآن مجید میں کہیں مذکور

لہ صحیح بخاری، کتاب الحدود، صحیح مسلم، کتاب الحدود، احکام القرآن، ج ۲: ص ۶۰۵ -
سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود، سنن نسائی، کتاب قطع ید السّارق
موطا امام محمد، کتاب الحدود فی السرقہ
ے سنن ابوداؤد، کتاب الحدود، سنن النسائی، کتاب قطع ید السارق
۲ے صحیح بخاری، کتاب الحدود، صحیح مسلم، کتاب الحدود، سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود
۳ے تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۵۵
۴ے ایضاً

نہیں اور نہ عہد نبوت یا عہد صحابہ میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے عمرو بن سمرۃ بن جندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فلاں شخص کا اونٹ چرا لیا ہے مجھے پاک کر دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے کہا ہاں ہمارا اونٹ گم ہو گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ان کا ہاتھ کاٹا گیا۔ ثعلبہ فرماتے ہیں جب ان کا ہاتھ کٹ کر گرا تو میں انہیں دیکھ رہا تھا وہ فرما رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے مجھ سے پاک کر دیا تو چاہتا تھا کہ میرے پورے بدن کو دوزخ میں لے جائے [۱]

ابو داؤد شریف میں حدیث ہے صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں مسجد میں اپنی ایک چادر پر سر رکھے سو رہا تھا جس کی قیمت تیس درہم تھی کہ ایک آدمی آیا اور اس چادر کو میرے سر کے نیچے سے نکال کر لے بھاگا چور پکڑا گیا اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپؐ نے قطع ید کا حکم فرمایا یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا محض تیس درہموں کے لیے اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے چلیے میں اس چادر کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت چھوڑتا ہوں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے ایسا کیوں نہیں کر لیا [۲]

ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چوری کی سزا آپؐ نے قرآن کے مطابق قطع ید ہی دی ہے ہاں یہ بھی ارشاد فرما دیا ہے کہ اگر کوئی صلح صفائی کرنی ہو تو قاضی کی خدمت میں مقدمہ لانے سے پہلے کرنی چاہیے بعد میں کچھ نہیں ہو سکتا۔

شریعت اسلامیہ میں چوری کی سزا قطع ید ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ

---

[۱] سنن ابن ماجہ، ابواب الحدود

[۲] سنن ابو داؤد، کتاب الحدود، سنن النسائی، کتاب قطع ید السارق
موطا امام محمد، کتاب الحدود فی السرقہ، تفسیر مظہری، ج ۳ : ص ۹۸
صحیح بخاری، کتاب الحدود

نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ سرقہ دیگر کبائر کی طرح گناہ کبیرہ ہے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت چور چوری میں مشغول ہوتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چور کا ہاتھ کاٹا اور اس میں امیر غریب کا کوئی امتیاز روا نہ رکھا۔ ایک مرتبہ قریش کی ایک معزز عورت نے چوری کی تو آپؐ نے اس کے قطع ید کا حکم فرمایا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش کی ایک ایسی عورت نے جس نے چوری کی تھی قبیلہ قریش کے لوگوں کو سخت اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا انہوں نے کہا کہ (اس عورت کی سفارش کے سلسلے میں) حضرت اسامہؓ بن زید کے سوا نہ تو کوئی دوسرا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کی جرأت ہو گی لہٰذا وہ سفارش کریں) کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے ہیں۔ حضرت اسامہؓ نے آپ سے اس عورت کے بارے میں گفتگو کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کیا تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے نفاذ کو روکنے کی سفارش کرتے ہو اس کے بعد آپ نے کھڑے ہو کر تقریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "لوگو! تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے گمراہ ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو وہ لوگ اسے چھوڑ دیتے اور اگر کمزور اور غریب شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹ دیتا[2]

مرقاۃ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں" شرح السنۃ میں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ چور جب پہلی مرتبہ چوری کرے تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور جب دوسری مرتبہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود

[2] سنن نسائی، کتاب قطع ید السارق، بخاری، کتاب الحدود

[3] ملا علی قاری، المرقاۃ، ج ۷، ص ۱۶۳ طبع ملتان

حرابہ (رہزنی)

چوری کی طرح حرابہ (رہزنی) بھی قابل حد جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

(المائدہ: ۳۳)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے کو دوڑتے پھرتے ہیں ایسے لوگوں کی بس یہی سزا ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان میں سے ہر ایک کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے یا شہر بدر کر دیے جائیں یہ سزا ان کے لیے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

رہزنی کو قرآن مجید میں "محاربہ باللہ و رسولہ" سے تعبیر کیا گیا ہے[1] اس لیے کہ مسافر تو محض اللہ کی ذات پر اعتماد کر کے گھر سے نکلتا ہے لہذا جو شخص اس اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کرے تو گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے نکلا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ہیں یعنی ملک میں فساد برپا کرتے ہیں۔ اس سے مراد ڈکیتی اور اور رہزنی کو لیا گیا ہے[2]۔ اس میں اس کی چار حالتیں بیان کی گئی ہیں۔

---

[1] روح المعانی، ج ۴، جز ۶: ص ۱۱۹

[2] انوار التنزیل، ج ۱: ص ۲۷۳

۱ - رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو ان کو قتل کیا جائیگا۔
۲ - انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل کیا ہو۔ ان کو سولی دی جائے گی۔
۳ - صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو۔ ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں گے
۴ - نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو صرف قصد کرنے کے بعد گرفتار کیئے گئے ہوں ان کو جیل بھیج دیا جائے گا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

"جمہور فقہاء کا خیال ہے کہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمان ہونے کے باوجود زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں اور رہزنی کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں [۱]"

قسطلانی نے لکھا ہے :

"اور جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو زمین پر فساد پھیلانے کے لیے نکلیں اور رہزنی کریں [۲]"

تفسیر ابن کثیر میں ہے :

"محاربہ کے معنی خلاف کرنا حکم کے برعکس کرنا مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر، ڈاکہ زنی، زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنی ہے۔ یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے قرآن کی اور آیت میں ہے کہ جب وہ کسی کام کے والی ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں خدا تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لیے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ تلا کرلے

---

[۱] ابن حجر عسقلانی : فتح الباری، ج ۱۵ : ص ۱۱۹ -
[۲] قسطلانی : ارشاد الساری، ج ۱۰ : ص ۲ طبع بولاق مصر ۱۳۲۷ھ، روح المعانی، ج ۴ جزء ۶ ص ۱۱۸

تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوگا ابن عباسؓ فرماتے ہیں" یہ آیت مشرکین کے بارے میں اتری ہے پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آجانے سے پہلے توبہ کرے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث اترا ہے وہ ٹل نہیں سکتا ابن ابی سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہوگیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دے دیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعد فرماتے ہیں یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی صحیح یہ ہے کہ جو بھی یہ کام کرے اس کے لیے یہ حکم ہے[1]

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ محاربہ اس کو کہتے ہیں کہ شہر سے باہر کوئی فساد ہو کیونکہ شہر میں تو بروقت امداد پہنچ سکتی ہے[2] اللہ تعالیٰ نے جو سزائیں ان راہزنوں کی مقرر کی ہیں ان کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے، راستوں کو پرخطر بنا دے تو امام کو اختیار ہے کہ وہ ان تین سزاؤں میں سے جو سزا چاہے دے دے[3]

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے محاربین کے بارے میں دریافت فرمایا جنہوں نے مال چرایا ہو اور رستوں کو خطرناک بنایا ہو ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطر راہ اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے اسے سولی چڑھا دیجئے۔ فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں۔ یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۴۸ - ۴۷

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۵۰

[3] ایضاً

اسے بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل خارج کر دیا جائے[1]
عطا خراسانی کہتے ہیں ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں بھیج دیا جائے یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرتا رہے لیکن دار اسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے[2] ایسے لوگ دنیا میں ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے وہ بیمار تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو چنانچہ وہ ان کے ساتھ چلے گئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا اور تندرست ہو گئے اس کے بعد وہ لوگ مرتد ہو گئے اور انہوں نے اونٹوں کے چرانے والوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ان کے پیچھے بہت سے آدمیوں کو بھیجا اور وہ انھیں پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں لے آئے تب آپؐ نے حکم فرمایا اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیے گئے آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی۔ آپؐ نے ان کے زخموں کو داغنے کا بھی حکم نہیں فرمایا یہاں تک کہ وہ لوگ ہلاک ہو گئے[3]

اللہ تعالیٰ نے چوری اور راہزنی کو قابل حد جرم قرار دیا ہے اسی لیے اس کے بارے میں سورۃ مائدہ میں بڑے سخت احکامات نازل فرمائے ہیں راہزنی سے ملک میں فساد برپا ہوتا ہے معاشرہ میں ابتری اور خوف و ہراس پھیلتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت سزا مقرر فرمائی ہے۔ حدیث سے بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر سختی سے عمل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حرابہ زنی کے جرم کے مرتکب ہوں انکو قتل کر دو یا سولی پر چڑھا دو یا ان میں سے ہر ایک کا مخالف سمت سے ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیا جائے یا انکو شہر بدر کر دیا جائے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۵۱
[2] ایضاً
[3] ایضاً ، ج ۳ ص ۴۰۷

بغاوت | بغاوت لغت میں کسی شئے کے طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ عرف میں حرام چیز کو جور وظلم سے حاصل کرنے کی کوشش کو کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ [1]

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ میرے رب نے تو تمام فحش کاموں کو خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور ہر گناہ کی بات کو حرام کیا ہے اور ناحق بغاوت کو حرام کیا ہے۔

حضرت السدی کہتے ہیں کہ بغی کے معنی ہیں استحقاق لوگوں کا مال یا ناحق عزت۔

مجاہد کہتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو خود اپنے نفس پر بغاوت کرے۔

یعنی وہ تعدی ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بغاوت کو حرام فرمایا ہے[2]

اسلام امن و امان اور صلح و آشتی کا دین ہے۔ دین اسلام کا فائدہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا سے شر و فساد ختم ہو جائے گا ظلم و جور مٹ جائے گا، حق والے کو اس کا حق ملے گا۔ لوٹ کھسوٹ نہیں ہوگی اور انسان رب کی غلامی میں داخل ہو جائے گا۔ اسلام نے صرف فتنہ و فساد دور کرنے کے لیے قتال و جدال کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ اطمینان و سکون کے ساتھ زندگی گذاریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

وَقَاتِلُوا حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ [3]

ترجمہ: اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ فتنہ مٹ جائے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

---

[1] القرآن: الاعراف: ۳۳

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۲: ص ۲۱۱

[3] القرآن: الانفال: ۳۹

فتنہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا" ان سے خوب قتال کرو ۔حتّٰی کہ فتنہ دب جائے اور دین کُل کا کُل خدا کا ہے ۔

ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے عبد الرحمٰن خدا نے فرمایا کہ" اگر مومنین کی دو جماعتیں باہم قتال کریں تو ہم قتال میں کیوں شریک نہیں ہوتے ۔جب کہ ایسی دو جماعتوں کا قرآن میں ذکر ہے ، توابن عمرؓ نے فرمایا اے بھتیجے شریک جنگ نہ ہونے کا طعن مجھ پر آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مومن کو عمداً قتل کروں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے قتال کرو حتّٰی کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے [۱]

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ [۲]

اور فتنہ قتل سے زیادہ خطرناک ہے ۔

بغاوت چونکہ ایک عظیم فتنہ ہے جس میں مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا خون بہاتا ہے اسلیے ارشاد ربانی ہے :

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [۳]

ترجمہ : اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں توان کے درمیان صلح کرا دو پس اگران میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہانتک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے توان دونوں میں انصاف

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ، ج ۲ : ص ۳۰۸

[۲] القرآن : البقرۃ : ۱۹۱

[۳] القرآن : الحجرات : ۹

کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ بہر صورت اور بہر قیمت فتنے فساد اور جدال و قتال کو ختم کر دینا چاہیے بلکہ اگر ضرورت پڑے اور مسلمانوں کی جماعتوں میں سے کوئی جماعت کسی طور نہ ملنے اور خون ریزی کی بھی نوبت آجائے تو بھی اس کو ختم کرنا چاہیے ان میں سے اگر کوئی فریق صلح کا اظہار کرے تو لبیک کہنا چاہیے اور صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایسے موقع پر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔

اس آیت میں حکم آیا ہے کہ اگر دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں صلح کرا دیں اس کی تائید میں صحیح بخاری میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا آپ کی یہ پیشگوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہو گئی[1] پھر ارشاد ہوتا ہے اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے تاکہ پھر وہ ٹھکانے آجائے[2] اگر اللہ تعالیٰ یہ احکامات نازل نہ کرتا تو مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑتا اور جو صورت حال سامنے آتی اس کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھینچی ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا[3]

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹاتا تو تکیئے اور مدرسے اور عبادتخانے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحدود، تفسیر ابن کثیر، ج ۴: ص ۲۱۱

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۴: ص ۲۱۱

[3] القرآن: الحج: ۴۰

اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔
ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ [1]

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

ان تمام امور کی اصلاح کے لیے خلیفہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ خلیفہ سے مراد ایسا شخص ہے جس کے قبضہ میں اتنا لشکر اور سامانِ جنگ ہو کہ دوسرے شخص کا اس سے ملک چھین لینا بمنزلہ ناممکن کے ہو ایسے شخص سے ملک لے لینا جب ہی ممکن ہوتا ہے کہ نہایت درجہ کوشش کی جائے اور بہت سی جماعتیں متفق ہوں بکثرت مال صرف کیا جائے اور ایسا اہتمام لوگوں سے نہیں بن پڑتا [2]

اگر خلیفہ اچھا ہے اور ملک میں اپنی عمدہ سیرت پر عمل درآمد کرتا ہے اور تمام لوگ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں تو خدا کی نعمت کامل ہو جاتی ہے۔ شہروں اور لوگوں میں سکون قائم ہو جاتا ہے۔ درندہ صفت لوگوں سے جو نقصان لوگوں کو پہنچتا ہے ان کی عزت جان و مال خطرے میں پڑ جاتے ہیں ان چیزوں کی حفاظت کرنے کے لیے خلیفہ کو جنگ کرنی پڑتی ہے اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا۔

ابعث لَنَا ملكا نُقَاتِل فِي سَبِيْلِ اللهِ [3]

ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم اللہ کے راستے میں (اس کی قیادت میں) لڑیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم کے خلاف بغاوت کرنے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔
حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے

---

[1] القرآن : البقرہ : ۱۹۳

[2] سید متین ہاشمی۔ اسلامی حدود۔ ص ۲

[3] القرآن : البقرہ : ۲۴۶

کہ بے شک (میرے بعد) بہت سے شر و فساد ہوں گے لہٰذا امت کے کسی ایک بات پر متفق ہو جانے کے بعد جو آدمی اس میں تفریق پیدا کرنے کا ارادہ کرے اسے تلوار سے قتل کر دینا خواہ جو بھی ہو۔[1]

حضرت عرفجہؓ کی ایک روایت میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی ایک آدمی (کی خلافت پر) جمع ہو جاؤ اور اس کے بعد تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جو تمہاری لاٹھی (طاقت) کو توڑنا چاہے یا تمہاری جماعت کو منتشر کرنا چاہے تو ایسے شخص کو قتل کر دو۔

ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اور کبھی ختم نہ ہونے والی خون ریزی شروع ہو جاتی ہے لیکن اگر امیر ایسی بات کا حکم دے جو صحیح نہ ہو تو اس کو نہیں ماننا چاہیے۔

ارتداد

ارتداد لغت میں لوٹنے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں ارتداد اسلام کو چھوڑ دینے اور دین سے پھر جانے کو کہتے ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ[2]

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کرے مگر یہ کہ اس پر جبر کیا جائے اور وہ مجبوراً (محض زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے بشرطیکہ) اس کا دل ایمان پر قائم ہو (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے) لیکن جو شخص کشادہ دلی کے ساتھ اللہ کے ساتھ کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑا عذاب دیا جائے گا۔

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الحدود

[2] القرآن، النحل: ۱۰۶

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کریں ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا لیکن ان میں وہ لوگ شامل نہیں جن کو ایذائیں دی جائیں یا ان پر ظلم کر کے ان کو مجبور کر دیا جائے کہ کلمہ کفر زبان سے ادا کریں ۔ اگر ان کے دل ایمان پر مکمل طور پر مطمئن ہیں اور اپنی جان کے خطرے سے یا اور ظلم سے کفر کی بات زبان سے ادا کریں تو ان کو مرتد نہیں کہیں گے اور نہ ہی ان پر عذاب ہوگا ۔

ابن عباس فرماتے ہیں سورۃ نحل والی آیت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ ایک مرتبہ مشرکین نے آپ کو اس وقت تک اذیت دی جب تک آپؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہ کریں یہاں تک کہ ان کی اذیت کی وجہ سے آپؓ مجبور ہو گئے اور ان کی بات مان لی بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عذر بیان کرنے لگے پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل والی آیت اُتاری ۔ شعبی ، قتادہ اور ابو مالک نے بھی یہی کہا ہے ۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ[1]

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین (اسلام) کو تبدیل کر دے اسے قتل کر دو ۔

ابو داؤد شریف میں ہے ۔

حضرت عبد اللہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان کا خون جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں حلال نہیں ہے مگر تین صورتوں میں ایک تو شادی شدہ زانی دوسرے قصاص میں اور تیسرے اس شخص کو جو اپنے دین (اسلام) یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے[2]

---

[1] ترمذی شریف ، کتاب الحدود

[2] سنن ابو داؤد ، کتاب الحدود

مختصراً یہ کہ سلف و خلف کے تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل ہے۔[1] مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلوا دیا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں تو انھیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو ہاں بیشک میں انھیں قتل کرا دیتا اس لیے کہ فرمان رسول ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔[2]

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا ایک یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا اب پھر یہودی ہو گیا ہے ہم تقریباً دو ماہ سے اسے دوبارہ اسلام کی طرف لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو یہی فیصلہ ہے خدا اور رسول کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔[3]

علماء کے نزدیک مرتد کے قتل میں عورت اور مرد کی کوئی تفریق نہیں لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ارتداد کے جرم میں عورت کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اسے قید رکھا جائے اس کو دوبارہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے اگر وہ تائب ہو جائے تو ٹھیک ورنہ موت تک اس کو قید میں رکھا جائے۔[4] امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے جنگ کے دوران کافر عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے تو جب کفر اصلی میں عورت کے قتل کی ممانعت ہے تو ارتداد میں بدرجہ اولیٰ عورت کا قتل ممنوع ہوگا۔

---

[1] المغنی، ج ۱۰ : ص ۷۴

[2] مسند احمد بن حنبل، کتاب الحدود، سنن ابو داؤد، کتاب الحدود

[3] مسند احمد بن حنبل، کتاب الحدود، صحیح بخاری، کتاب الحدود
صحیح مسلم، کتاب الحدود، تفسیر ابن کثیر، ج ۲ : ص ۵۸۸ سنن ابو داؤد، کتاب الحدود۔

امام مالک اور شیعہ زیدیہ کے نزدیک مُرتد سے توبہ کرانا اور اس پر اسلام پیش کرنا واجب ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مُرتد کو تین دن اور تین رات کی مہلت دی جائے اور اسے توبہ کرنے کو کہا جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسلام پیش کرنا اور توبہ کرانا مستحب ہے واجب نہیں۔ کیونکہ مُرتد کو پہلے ہی اسلام کی دعوت دی جا چکی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہلت کی مدت کا تعین حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے اگر اسے اُمید ہو کہ تین دن کی مہلت دینے سے اسلام قبول کرے گا تو اسے مہلت دے دے لیکن اگر اس کو ایسی کوئی امید نہ ہو تو وہ اسے بر وقت قتل کر دینے کا حکم بھی دے سکتا ہے۔[۱]

اس تمام بحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ اسلام لانے کے بعد منکر ہو جائیں ان کو دوبارہ اسلام کی تبلیغ کی جائے اور توبہ کرنے کو کہا جائے اگر وہ توبہ کرلیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اگر ایسا نہ کریں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو قتل کر دو۔

---

[۱] المغنی، ج ۱۰، ص ۷۴